ISSN:3007-3324(P) Tashkeel e Jadeed volume:3, Issue:1, july to December 2025
ISSN:3007-3316 (E) Email: tashkeele.jadeed@aiou.edu.pk

ڈاکٹر رضوانہ نقوی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو زبان و ادب،یونیورسٹی آف سرگودھا ، ای میل:Rizwananaqvi10@gmail.com
ڈاکٹر قیصر محمود،
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو زبان و ادب،یونیورسٹی آف سرگودھا ، ای میل: qaiser.mehmood@uos.edu.pk

اقبال اور نژادِ نو: تحقیق و تجزیہ

Iqbal and New generation:Research and Analysis

Abstract:

Allama Iqbal is a great poet of Urdu and Persian literature.He had a great love for children.He knew that today's children are the architects of tomorrow,so it is most important that they should be educated and trained in a better way and adoraned with the jewels of education.Allama Iqbal wrote very interesting, meaningful, effective, simple and instructive poems to instill good habbits in children and to train them better,many lessons and advice have been explained to children in his poetry in a very effective manner. In these poems iqbal teaches children moral values and how to live a bettr and useful life towards self and towards world, after reading his poetry children become optimistic, enthusiasti and when they poses these qualities they can lead the world, although Iqbal wrote less about children as compare to youth but his poems have a rich message and impacts.This article sheds the light on the facts,effects, usefulness and value of Iqbal's poetry for New Generation.

Key Words: new generation, poetry, instructive poems, positive impacts, optimisim, moral values.

بچے کسی بھی قوم کی حیات و مستقبل کی سب سے اہم کڑی ہوتے ہیں۔ لیکن اردو زبان میں بچوں کا ادب ابتدا سے اب تک خصوصی توجہ کا محتاج ہے،ماضی سے تاحال اس حوالے سے صورتحال قابل تشفی نہیں ہے۔اگر ہم اپنے ماضی پہ نگاہ دوڑائیں تو بچوں کے ادب پر ارتکاز 19 ویں صدی کے نصف آخر سے بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں نظر آتا ہے جہاں بچوں کے نثری ادب میں کئی کتب تصنیف ہوئیں۔ لیکن اردو نظم میں اس کی صورتحال تسلی بخش نہیں تھی یہاں تک کہ نئے انگریزی نظام حکومت کے تحت جہاں اردو ادب کی دیگر اصناف کو فروغ حاصل ہوا وہیں بچوں کے ادب پر بھی توجہ دی گئی اور کرنل ہالرائڈ کی زیر نگرانی متعدد کتب اور رسائل کی اشاعت عمل میں آئی۔اس تحریک کی توسیعی صورت مولانا محمد حسین آزاد،خواجہ الطاف حسین حالی،پنڈت من پھول، منشی پیارے لال اور مرزا ارشد گورگانی کے ہاں موجود ہے۔ جنہوں نے بچوں کے ادب پر خصوصی نگاہ کی بعد ازاں یہ سلسلہ طویل ہوا اور سینکڑوں ادبا نے اپنے حسن کلام سے بچوں کی ادبی و تخلیقی دنیا میں رنگ بھرے، اسماعیل میرٹھی، شفیع الدین نیر، حفیظ جالندھری، محمد مجیب

، کرشن چندر، ذاکر حسین اور خواجہ حسن نظامی وغیرہ کے نام اس حوالے سے بالخصوص قابل توجہ ہیں۔ اردو زبان میں ابتداً درسی کتب کی تیاری کے لیے مولانا آزاد، مولوی اسماعیل میرٹھی اور مولوی عبدالحق کی کاوشیں دل پذیر ہیں، جبکہ ذاکر حسین کی رہنمائی میں بچوں کے ادب کی طرف پوری توجہ دی گئی اور مکتبہ جامعہ نے اپنا ماہنامہ "پیغام تعلیم" جاری کیا جو ایک عرصہ تک متحرک رہا اسی نوع کے دیگر رسائل میں کراچی سے "نونہال" سیالکوٹ سے "بچوں کا باغ" لاہور سے "پھول" "پریم" "تعلیم و تربیت" اور "پھلواری" وغیرہ جیسے رسائل اردو ادب کی ترویج و ترقی کے ساتھ ساتھ بچوں کے ادب کی صورت نکھارنے میں بھی معاون رہے۔

ہر بڑے اور حساس شاعر کی طرح علامہ اقبال بھی نونہالان وطن سے نہ صرف محبت کرتے تھے بلکہ انہیں اپنی قوم کے روشن مستقبل کی ضمانت خیال کرتے تھے، سو انہوں نے جہاں اپنے فکر و سخن میں نوجوانوں کو مرکز نگاہ بنایا وہیں "نژاد نو" یعنی نونہالان وطن کے لیے بھی نظمیں لکھیں، گو ان نظموں کی تعداد زیادہ نہیں ہے مگر اقبال جیسے فلسفی شاعر کے ہاں ان نظموں کی قلیل تعداد بھی اپنے اثر و نفوذ اور اہمیت کی بنا پر کسی طور معمولی و کم نہیں ہے۔ بچوں کے لیے لکھی گئی نظموں میں سے چند نظمیں ابتدا ہی سے مشترکہ ہندو پاکستان کی درسی کتب کا حصہ رہیں اور سماجی و فکری طور پر بھی انہیں پذیرائی نصیب ہوئی جبکہ یہ نظمیں ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد اور تقسیم ہندوستان کے باوجود آج بھی دونوں ملکوں کی درسی کتب کا حصہ ہیں۔ بچوں کے لیے لکھی گئی نظموں میں سے بیشتر نظمیں "بانگ درا" کا حصہ ہیں جبکہ باقی ادبی سرمایہ ان کے کسی مجموعہ کلام میں شامل نہیں اس کلام کو فقیر وحید الدین نے چھان پھٹک کر جمع کیا اور اقبال کے حوالے سے اپنی یادداشتی کتاب "روزگار فقیر" میں پیش کر دیا ہے۔ "روزگار فقیر" میں شامل نظمیں "بانگ درا" کے مقابلے میں کم مقبول اور عوام کے لیے کم دسترس ہیں لیکن ان میں وہ تمام کلام شامل ہے جو باوجوہ "بانگ درا" سے حذف کر دیا گیا تھا۔ اقبال کی انہی نظموں کو پذیرائی حاصل ہے کہ جو "بانگ درا" میں شامل ہیں۔ "بانگ درا" کی نظمیں اپنی سلاست، روانی، سہل انگاری اور فکری زاویہ سے خاصے کی چیز ہیں۔ ان نظموں کا اخلاقی و فکری درس بہت سادہ مگر زوردار ہے جو بچوں کی ذہنی سطح، دلچسپی اور تاثیر کے حوالے سے کامیاب ہے۔ ان نظموں میں سے بیشتر کو کوئی بھی بچہ با آسانی سمجھ کر اخلاقی درس اور فکری صلاحیت کی آبیاری کر سکتا ہے نیز ان نظموں کی فضا پیشکش اور اپیل نہایت زوردار اور خوبصورت ہے، فطرت اور فطری کردار ان نظموں کا مرکزی نقطہ ہیں جو بچوں کی دلچسپی کے عین مطابق بر سر عمل ہوتے ہیں۔

یہ تمام نظمیں کہانی کی صورت ایک خوبصورت فضا مرتب کرتی ہیں جہاں چرند پرند اور دیگر نوع فطرت ایک چھوٹی سی کہانی واقعاتی سلسلے میں جوڑتے ہوئے ایک ایسے مقام پر انتہا کرتے ہیں کہ جہاں اخلاقی درس تمام تر کہانی کا لازمی نتیجہ بن کر ظاہر ہوتا ہے اور بچے کے ذہن و قلب پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ اقبال کی ان تمام نظموں میں پیش کردہ عناصر فطری، عامیانہ اور روزمرہ حیات سے منسلک ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بچہ جوں جوں عمر کے مدارج و مراحل طے کرتا ہے وہ اپنے ارد گرد میں دلچسپی لیتا، ہر شے کے بارے میں جاننا چاہتا ہے وہ اس حیات سے خود کو منسلک محسوس کرتا ہے اور ان کے بارے میں جانچنے، کھوجنے اور ان کی اصلیت کو پانے کے لیے بے چین ہوتا ہے، یہی نہیں بلکہ وہ اپنے بڑوں کی حیات، معاملات، تجربات، اور حادثات کے بارے میں بھی اپنے تئیں جاننے اور سمجھنے کی پوری کوشش کرتا ہے یوں اس کی یہ کوشش زندگی گزارنے کے لیے نئے ڈھنگ اور تجربات آشکار کرنے کی ایک سعی ہوتی ہے۔ اس حوالے سے پیٹر سیلفوڈ کا بیان معاون ہے کہ:

The child becomes interested in the outer world and wants to hear of other people and other lands. He wishes to get behind the things he sees and handles. His own self and his own plans no longer satisfy he is curious to hear of the lives of others, their fears, hopes, discoveries and sorrows. He now becomes eager to read every_thing he can, lay his hands on, and so great is this desire that dry pouderous tomes will be religiously read if the other is available(۱)

(بچہ اپنے ارد گرد پھیلی بیرونی دنیا میں دلچسپی لیتا ہے، وہ دوسرے لوگوں اور زمینوں کے بارے میں سننا چاہتا ہے۔ وہ ان چیزوں کا پیچھے جانا چاہتا ہے کہ جنہیں وہ دیکھتا اور سنبھالتا ہے۔ اس کے اپنے ارادے اور اس کی اپنی ذات اسے مذید مطمئن کرنے سے قاصر ہے۔ اب وہ دوسروں کی زندگیوں، ان کے خوف، امیدوں، دریافتوں اور غموں کے بارے میں سننے کے لئے متجسس ہے۔ اب وہ ہر وہ شے جو اس کی دسترس میں آئے اسے پڑھنے کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے۔ اور یہ خواہش اتنی بڑی ہے کہ اگر کوئی دوسرا میسر آئے تو اسے دینیات جان کر پڑھا جائے' (کامل انہماک و توجہ سے)

بچے کی ذہنی بلوغت اور تجسس کے پیش نظر ایسے میں لازم ٹھہرتا ہے کہ بچے کے مخصوص و محدود درسی مواد کے علاوہ بھی کچھ ایسا علمی و ماحولیاتی مواد موجود ہو جو اس کے تجسس و علمی تشنگی کی تشفی کرے۔ بلکہ تفریحی انداز میں اخلاقی و کرداری کتب کا بھی یہی مدعا ہوتا ہے لیکن ان کا دائرہ عمل اس صورت میں محدود ہو جاتا ہے کہ درسی کتب ایک خاص مقصد یا نقطہ نظر کے تحت لکھی جاتی ہیں اور ان کا مطمع نظر تعلیمی مدارج کی تحصیل ہوتی ہے۔ یوں ان میں فراہم کردہ معلومات کا ذخیرہ محدود اور عمومی ہوتا ہے ایسے میں بچے کی ذہنی و اخلاقی نشو نما کے لیے لازم ہے کہ انہیں درسی کتب کے ساتھ ساتھ ادبی مواد بھی مہیا کیا جائے جو ان کی بڑھتی ہوئی ذہنی تحریک کی تشفی کرے اور ان کے حیرت و استعجاب کو آسودہ کرے۔ انہیں ذہنی تفریح مہیا کرتے ہوئے تسکین فکر و خیال اور زبان کی پختگی بھی عطا کرے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو وہی ادب بچوں کا ادب کہلائے گا کہ جو بچے کی تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اس کی دلچسپی کے گوناگوں عناصر کو سامنے رکھتے ہوئے ہر شے کے بارے میں ایسی معلومات فراہم کرے کہ جن سے بچے کی دلچسپی برقرار رہے ، اس کی صلاحیتیں بیدار ہو کر فروغ پا سکیں اور اس کی ذہنی و اخلاقی نشو و نما جاری رہے۔ دیوسرے کے نزدیک: بچوں کے ادب کے بنیادی عناصر وہی نفسیاتی اصول ہیں جو بچوں کے ذہن کو صحت مند بنانے کے لیے ضروری ہیں۔ بچوں کا ادب بچوں کی شخصیت کے ان پہلوؤں کو جاگر کرتا ہے جو بڑے ہو کر زندگی کی سچائی کو پہچاننے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ (۲)

اقبال کی نظموں کے تجزیے اور تنقید سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کیا علامہ اقبال کی اطفالی ادب سے منسلکہ نظمیں بچوں کے ادب کی ذیل میں آتی بھی ہیں یا نہیں؟ چنانچہ یہ جانچنا لازم ہو جاتا ہے کہ دراصل بچوں کے ادب سے مراد کیا ہے اس حوالے سے بے شمار تعریفیں اور وضاحت دستیاب ہیں لیکن اس وضاحتی سلسلے میں جن چند لوگوں کی رائے بالخصوص توجہ طلب ہے اس حوالے سے شفیع الدین نیر کا نام اہم ہے انہوں نے " جامعہ ملیہ اسلامیہ " کے تحت منعقدہ ایک سیمینار بعنوان: "اردو میں بچوں کا ادب" میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ: بچوں کے ادب سے مراد نظم و نثر کا وہ ذخیرہ ہے جو خاص طور پر بچوں کے لیے لکھا گیا ہو یا اپنی معنویت اور افادیت کے اعتبار سے بچوں کے لیے موزوں ہو، یا یوں سمجھیے کہ جو ادب چار پانچ سال کی عمر سے 13، 14 برس تک کے بچوں کے لیے مخصوص ہو۔ ایسے ادب کو ہم بچوں کے ادب سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ بلاشبہ بچوں کے ادب کو بھی ان اقدار و خصوصیات کا حامل ہونا چاہیئے کہ جو کسی بھی زبان کی نظم و نثر کو ادب کا درجہ بخشتی ہیں۔ ان تحریروں میں خیال کی رفعت، جذبے کی صداقت، زبان کی لطافت اور بیان کا حسن شامل ہے جبکہ بریٹینیکا جونیئر انسائیکلوپیڈیا میں ادب اطفال کے وضاحت کچھ ان لفظوں میں کی گئی ہے:

It is all surprising that books suitable for boys and girls began to appear only about 200 years ago, yet stories which children enjoyed were told by words of mouth for countless generations. (۳)

(یہ سب حیرت انگیز ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے موزوں کتب قریباً دو سو سال قبل ہی سے منظر عام پر آنے لگی تھیں۔ لیکن پھر بھی ایسی کہانیاں کہ جو بچوں کی دلچسپی کا سامان تھیں ان گنت نسلوں کے لئے زبانی کہی جاتی رہی ہیں)

"بانگ درا"، "مخزن" اور "روزگار فقیر" میں شامل نظمیں لطافت، دلچسپی، علمی و تربیتی حوالوں سے اطفالی ادب کے عالمی معیار پر پوری اترتی ہیں "بانگ درا" کے پہلے حصے میں اقبال کی نو ایسی نظم شامل ہیں کہ جو بچوں کے ادبی معیارات اور حدود کے تحت آتی ہیں ان میں ہمدردی"، "ماں کا خواب"، "بچے کی دعا" "ایک پہاڑ اور گلہری"، "ایک مکڑا اور مکھی"، "ایک گائے اور بکری"، "میرا وطن"، "ایک پرندہ اور جگنو" اور "ایک پرندے کی فریاد" شامل ہیں ان نظموں میں حسن، آہنگ و ترنگ اور دلچسپی کے عناصر، تمثیلی انداز، اخلاقی سبق اور نصیحت آموزی بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان نظموں کا مطالعہ ہر بچے کے لیے اچھا انسان بننے میں معاون ہے۔ نظم ہمدردی" کو عمومی طور پر بچوں کے ادب میں شامل کیا جاتا ہے بنظر طائریہ نظم اخلاقی اور تربیتی حوالے سے بچوں ہی کی ذہنی سطح سے منسلک ہے کہ جہاں انسانی ہمدردی، ہم آہنگی اور امداد باہمی سے اندھیرے میں روشنی، عدم تحفظ میں تحفظ اور مشکلات کا حل نظر آتا ہے۔ ایک جگنو اور پرندے کی کہانی جہاں پرندے کے مقابل ایک نہایت چھوٹا سا حقیر کیڑا اپنی ہمت، لگن اور ہمدردی کے باعث ذہنی اور جسمانی سطح پر خود سے کئی گنا طاقتور بڑے اور زیادہ صلاحیتوں کے حامل پرندے کا "رہنما" بنتا ہے۔ یہ کہانی محض امداد باہمی کا قصہ ہی نہیں بلکہ اقبال کی شعری اور فلسفیانہ فکر کے جزو لاینفک :"کسی بھی وجود کی کردار صلاحیت و عظمت" کو بھی آشکار کرتی ہے کہ جس کی بنا پر ذرے آفتاب اور کنکر گوہر بن جاتے ہیں۔ اقبال کی شاعری میں "کرمکِ شب تاب" یعنی جگنو کو حشرات الارض میں وہی مقام حاصل ہے جو "شاہین" کو دیگر پرندوں میں ان کرداروں کی برتری ان کی جہدِ مسلسل، اعلی اخلاق اوصاف ہمدردی، دستگیری اور محبت کے باعث ہے اسی بنا پر جگنو ایک حقیر پتنگا ہونے کے باوجود روشنی کا استعارہ اور رہنمائی کا نور بن کر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ صورتحال اقبال کے ہاں اردو و فارسی دونوں زبانوں کی شاعری میں واضح ہے۔ "پیام مشرق" میں دو نظمیں بعنوان "کرمکِ شب تاب" اس کا خصوصی حوالہ ہیں جہاں جگنو اپنے امتیازی و کرداری اوصاف کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ اور اپنی اچھوتی و بے مثال تخلیق پہ نازاں ہے۔ وہ کسی کا دست نگر نہیں خود سوزی سے خود افروزی کی منازل طے کرتا ہے۔ ہاتھ تھامنے والا، زمانے کی مشکلات سے نبرد آزما ہو کے زمانے کو سنوارنے والا، اندھیروں میں روشنی کر کے بھٹکنے والوں کا خضر راہ ہے۔ یہ تو تھا اس نظم کا اطفالی حوالہ، لیکن اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ نظم محض بچوں کے لیے نہیں بلکہ بڑوں کے لئے بھی اہم ہے۔ ابتداً یہ سولہ اشعار پر مشتمل تھی، لیکن "بانگِ درا" میں شمولیت کے وقت آٹھ اشعار منتخب کئے گئے۔ نظم کا اخذ و اثر ہی سوالیہ نشان پیدا کرتا ہے کیونکہ اقبال نے ہمدردی کو واضح طور پر "ماخوذ از ولیم کوپر" لکھا ہے اخذ استفادہ کے عمومی رویے میں ایک شاعر کسی دوسرے شاعر کے کلام کو ترجمے تاثر یا کرداری و افعالی حوالے سے اپنے ہاں پیش کرتا ہے۔ لیکن ولیم کوپر کے ہاں ایسی کوئی نظم موجود نہیں جس کا عکس ہمدردی" کی صورت نظر آئے۔ دونوں شعراء کی شاعری اور حیات کا گہرا مطالعہ یہ صورتحال واضح کرتا ہے کہ اقبال کے نظم ہمدردی" ولیم کوپر کی شاعری سے زیادہ کوپر کی زندگی سے ماخوذ ہے۔ کوپر اٹھارویں سے انیسویں صدی تک کا مشہور انگریزی شاعر تھا جس کی شاعری کے بنیادی موضوعات فطرت، روحانیت اور مذہب تھے بلکہ اسے رومانوی شاعری اور شاعروں کا پیشرو کہا جاتا ہے۔ لیکن فطرت، دین اور روحانیت کا یہ پرستار تا حیات متعدد ذہنی اور نفسی خلجانوں، بے یقینی، ذہنی و قلبی انتشار، اوہام و بے بسی اور احساس گناہ کے گرداب میں پھنسا رہا۔ اسے محسوس ہوتا تھا کہ خدا اس سے ناراض ہے اور اس کے لیے کوئی جائے پناہ و مقام نجات نہیں۔ اس شدید نفسی کیفیت کے تحت اس نے خودکشی کی کوشش بھی کی مگر پھر انسانی وقار و عظمت اور حوصلے و ہمت کے سبب سنبھل گیا۔

"کوپر" کی شاعری کا مطالعہ اندھیروں میں روشنی کی تلاش ہے۔ دنیا میں انسان کے گرد بڑھتی ہوئی نفسا نفسی، انتشار، بے راہ روی اور بے حسی کی بدصورتی کی بجائے وہ اس زمینی جہنم میں حسن و معانی تلاش کرتا ہے۔ وہ زمانے کے اندھیروں کو روح کی روشنی سے منور و پاکیزہ کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ یوں ولیم کوپر ایک مسلسل ذہنی کرب اور قلمی جہاد کے تحت ذہنی و قلبی جدال کے مقابل حسن، امن، عافیت اور روشنی کا نمائندہ بن کر ابھرتا ہے۔ اسی عظمتِ انسانی کے سبب اقبال نے نظم ہمدردی" کو کوپر کی نظم سے براہ راست منسلک نہ ہونے کے باوجود ولیم کوپر سے منسوب قرار دیا ہے۔ جبکہ اقبال کی جو نظمیں ولیم کوپر کی نظموں سے ماخوذ ہیں ان کے حوالے سے اخذ و استفادہ کا براہ راست تذکرہ موجود نہیں۔ یہ نظمیں بچوں کی نظموں میں "ایک پرندہ اور جگنو"، "اور ایک پرندے کی فریاد" ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ آگے آئے گا۔ اقبال ایک وسیع القلب انسان ہونے کے ناطے مذہبی زمینی اور انسانی سرحدوں کے قائل نہ تھے اس امر کی تصدیق متعدد مقامات پر ان کے حیات اور کلام سے ہوتی ہے چنانچہ وہ نا صرف مشرقی فلاسفہ و شعراء بلکہ مغربی فلسفیوں اور شاعروں

کی علمی، اخلاقی اور فنی عظمت کے بھی قائل تھے۔ یہ نظم اسی فنی و انسانی عظمت کا اعتراف ہے کہ جہاں ذہنی، قلبی اور روحانی اندھیروں میں بھٹکتا، سریلے پر کشش نغموں والا عظیم مغربی شاعر "کوپر" ایک "بلبل" کی صورت نظر آتا ہے کہ جو فکر و فلسفے اور بے یقینی کے اندھیروں میں پھنسا راہ بھٹک جانے پر فریاد کناں ہے مگر راہ سجھائی نہیں دیتا، کہ ایک دم وہاں امید، یقین اور حوصلے کا ستارہ ایک "جگنو" جو ممکنہ طور پر "خود اقبال" ہو سکتے ہیں، کیوں کہ بلبل کے مقابل اپنے فنی قد و کاٹھ اور زمانی تناظر میں 77 سال کا فاصلہ اقبال کو ایک چھوٹے سے پتنگے کی صورت سامنے لاتا ہے مگر اس پتنگے کا باطنی نور، ہمت و لگن، عقیدہ، تشفی کا اندازِ ہمدردی، التفات و ایثار اسے "بلبل" کا رہنما بنا دیتا ہے۔ اسی نوع کی ایک اور نظم اقبال کی فارسی کتاب "پیام مشرق" کا حصہ ہے جس میں مغرب کے دو عظیم فلسفیوں شوپن ہاور اور نطشے کے حوالے سے فلسفہ حیات و کائنات پیش کیا گیا ہے۔

مرغے ز آشیانہ بسیر چمن پرید   خارے ز شاخ گل بہ تن نازکش خلید

بد گفت فطرت چمن روزگار را   از درد خویش و ہم ز غم دیگراں تپید

گفت اندریں سرا کہ بنایش فتادہ کج   صبحے کجا کہ چرخ در و شامہا نہ چید

نالید تا بحوصلہء آں نوا طراز   خوں گشت نغمہ وز دو چشمش فرو چکید

سوز فغاں او بدل ہدہدے گرفت   با نوک خویش خار ز اندام او کشید (۴)

(ایک پرندہ اپنے گھونسلے سے بغرض سیر چمن اڑا، شاخ گل پہ کانٹے سے اس کا نازک بدن چھد گیا۔ اس نے کہا کہ گلستان (دنیا) کی فطرت میں ہی بدی ہے۔ اسے اپنے اور زمانے کے غم نے آزردہ کر دیا۔ اس نے کہا کہ اس سرائے (دنیا) کی بنیاد میں ہی ٹیڑھا پن یعنی بے ڈھنگی و برائی ہے، اس کی صبحیں اور شامیں سب دل آزار ہیں۔ وہ روتا رہا یہاں تک کہ اس کا نغمہ آہ و بکا اور آنکھیں خون جگر سے بھر گئیں۔ اس کی یہ فغاں ہدہد تک پہنچی، جس نے اس کے درد کا درماں کیا اور اس کے جسم سے کانٹا نکال ڈالا)

یہاں یہ دو پرندے عظیم فلسفی شوپن ہار اور نطشے کی صورت نمودار ہوتے ہیں، شوپنہار نے اپنے علم و جستجو سے جب اس دنیا و کائنات پہ نگاہ کی تو اس نے زمانے کو آماجگاہ مصائب پایا، جہاں ہر وجود اور ہر زمانہ درد و تکالیف سے دوچار تھا۔ اس شے نے اسے اتنا شدید دھچکہ دیا کہ اس کے لئے دنیا محض آزار بن کر رہ گئی، جبکہ اس کے مقابل دوسرا فلسفی بصورت "ہدہد" جدید فلسفے کا سب سے بڑا نام نطشے تھا، اس نے اس کے مایوس کن اور آزردہ خیالات کو نئی جہت عطا کی اور بتایا کہ زمانہ یا کائنات بے مصرف، مصائب کا گھر اور مایوسی و آزمائش محض کا نام نہیں بلکہ انسانی حوصلوں کی عظمت اور قوت تسخیر کی آزمائش گاہ ہے۔ اس میں وہی کامیاب رہتا ہے کہ جو ہر قسم کے سود و زیاں سے پاک ہو کے اپنے انسان ہونے کا فرض کامل طور پر ادا کرے، درد و غم سے فرار کی بجائے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرے، دردوں پہ کراہنے کی بجائے خود اپنی دردوں کا درماں ہو جائے۔ زہر سے تریاق اور اندھیرے سے روشنی پیدا کرے:

نشیمن پر نشیمن یوں تعمیر کرتا جا   گرتے گرتے بجلیاں بے زار ہو جائیں

اس تسلسل میں عین ممکن ہے کہ اس نظم میں ماخوذ سے مراد ولیم کوپر کی ذات ہے کہ جس کے روحانی و فکری اضطراب اور آہ وزاری سن کر ایک "جگنو" یعنی شاعر اقبال اسے راہ دکھانے اور اس کی مدد کرنے کو پہنچا ہے اور کوپر کے شعر و فلسفے کے بعض ان کہے اور ان سلجھے سوالوں کا جواب فراہم کرنے کی کوشش کی۔ یاد رہے کہ پیام مشرق کی پرندوں والی نظم اور ہمدردی" میں ایک تسلسل قائم ہے کیونکہ اقبال کی کتاب "بانگ درا"، "پیام مشرق" سے اگلے ہی برس شائع ہوئی تھی۔ یوں دو پرندوں یعنی کہ شوپنہاور اور نطشے کی حکایتی نظم "بانگ درا" کی ہمدردی" کا تسلسل معلوم ہوتی ہے۔ ادب اطفال کے حوالے سے یہ نظم بچوں کے لیے اصلاحی و اخلاقی ہے کہ جس میں انہوں نے وقت کی اہمیت زندگی کے حساسیت اور ہمدردی اور تعاون کی اہمیت و عظمت کا احساس دلایا ہے۔ اقبال نژادِ نو کی تشکیل اور تربیت کے حوالے سے متفکر تھے اور ایسی کوششیں کرنے کی طرف بھی مائل تھے کہ جن سے آنے والی نسل اعلی علمی اور اخلاقی اوصاف سے متصف ہو۔ اس حوالے سے وہ نا صرف شاعری بلکہ روزمرہ حیات میں بھی برسر عمل رہتے تھے۔ اپنی شاعری کے ابتدائی ایام میں انہوں نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے ایک مضمون قلم بند کیا تھا جو ماہنامہ مخزن لاہور جنوری 1902 کے شمارے میں شائع ہوا بعد ازاں یہ مضمون "اقبال کے نثری افکار" مرتبہ عبدالغفار شکیل کا حصہ بنا اس مضمون کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ اقبال کو بچوں کی نفسیات اور قومی و ملکی صورتحال سے کس قدر گہری آگاہی حاصل تھی اور وہ نژادِ نو کو کتنا اہم گردانتے تھے۔ اس حوالے سے عبدالقوی دسنوی کا بیان اہم ہے کہ: اقبال بچے کے ذہن کی تعمیر اس طرح کرنا چاہتے تھے کہ جس سے وہ ایسا انسان بن سکے جو خدا آگاہ، صداقت شعار، حریت پسند اور ہمدردی مجسم ہو، غرور و تکبر کی لعنت سے پاک ہو، محسن شناس، خدمت گزار، غریبوں کا مددگار، کمزوروں کا حامی، وطن پرست ،انسان دوست، برائیوں سے پاک اور پیکرِ عمل ہو۔(۵)

ہمدردی" ہی کے فریم سے منسلک دو اور نظمیں "ایک پرندہ اور جگنو" اور "ایک پرندے کی فریاد" ہیں "ایک پرندہ اور جگنو" ولیم کوپر کی نظم:

Nightingal and glow warm"" کا ترجمہ ہے علامتی حوالے سے دیکھا جائے تو ہمدردی" ہی کی طرح اقبال دوبارہ بصورتِ جگنو کمزور اور حقیر ہونے کے باوجود انسانی اخلاقی و کرداری حوالے سے بلند تر نظر آتے ہیں۔ پرندہ ممکنہ طور پر، بلبل نے سارا دن جن کیڑوں مکوڑوں کو ہلاک کر کے اپنے کام و دہن کو تسکین اور اپنے وجود کو بقا بخشی وہ جگنو کے ہم جنس وہ ہم وطن تھے، لیکن وقت پڑنے پر اعلیٰ روحانی و اخلاقی تربیت کے زیرِ اثر جگنو ظلم کو فراموش کر کے پرندے کی مدد پر آمادہ ہے۔ یہ مشرق کا وہ روحانی نور اور عظمت تھی کہ جس نے گوئٹے جیسے شاعر کو مغربی چکاچوند سے بیزار کر کے مشرق کی طرف مائل کر دیا تھا۔ ان دونوں نظموں کے کردار باہم منسلک اور عملی صورتحال کا مثبت ردعمل ظاہر کرتے ہیں لیکن قدرت کے کارخانے میں عدل ہوتا ہے سو پرندہ یعنی "ولیم کوپر" (بصورتِ علامت انگریزی حکومت و حکمران) جس نے جگنو یعنی کمزور حقیر و ناتواں کیڑوں علامتی حوالے سے "ہندوستانیوں" پر ظلم کیا ہوتا ہے انہیں اپنا غلام بنایا ہوتا ہے، وہ اجتماعی فکری روحانی و اخلاقی بحران کا شکار ہو کر روح کے کرب و اندھیروں میں ڈوب جاتا ہے۔ تمہاری تہذیب آپ اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی، جو شاخ نازک پہ آشیاں بنے گا ناپائیدار ہو گا۔ پرندے کی آہ وزاری و پکار انفرادی سے زیادہ اجتماعی صورتحال کے غماز ہے حرص و ہوا اور مادہ پرستی کے سیل بے پناہ اور سیل سیاہ نے باطن کو تاریک کر کے انسانوں کو بے راہ روی عدم تحفظ اور مسلسل انتشار کے سپرد کر دیا ہے۔ لیکن اس مقام پر بھی مشرق یعنی شاعر اور اس کے ہم وطن اپنی اعلی اخلاقی اقدار و اوصاف سے منہ نہیں موڑتے اور بھٹکے ہوؤں کی دستگیری اور اندھیروں میں روشنی کا انتظام کرتے ہیں:

کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا(۶)　　　میں راہ میں روشنی کروں گا

کے تحت اقبال نے نہ صرف نسل انسانی کی عظمتوں کو سراہا ہے بلکہ نژادِ نو کو باطل کے مقابل حق، اندھیرے کے مقابل روشنی اور بروں کے مقابل اچھا بننے کی تلقین بھی کی ہے کیونکہ برائی کو برائی سے نہیں بلکہ اچھائی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ "پرندے اور جگنو" میں پرندہ اپنے سابقہ رویے پر برسر عمل ہے تو دوبارہ جگنو اسے کائنات میں ہر شے کے تخلیقی جواز اور اپنے جائز حیاتی و اخلاقی حقوق سے آگاہ کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ ان دونوں کا وجود کائنات کے لیے ناگزیر ہے۔ باوجود اس کے کہ پرندے کے مقابل جگنو ضعیف، ناتواں

، مجبور اور حقیر ہے لیکن کائنات کا سوز و ساز ان دونوں کے دم سے قائم ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کے وجود کی فنا نظام کائنات کا انتشار بن جائے گی۔ یہاں علامتی حوالوں میں یہ نظم ہندوستان کے نوآبادیاتی نظام میں ہندوستانیوں کی غلامی، کمزوری مگر دنیا میں ان کے ہونے کی ناگزیریت کی نشاندہی بھی کرتی ہے نیز حکمرانوں کے ظلم وجبر اور احسان فراموشی کی نمائندہ بھی ہے۔ ساتھ ہی یہ نظم اندھیرے اور اجالے اور دکھ اور سکھ کے باہمی انسلاک اور نظام حیات و کائنات میں زندگی کی بڑھوتری کے لیے دکھ سکھ، قوت و ناطاقتی، بلندی و پستی ہر دو کی اہمیت اجاگر کرتی ہے۔ کیونکہ اگر سختیاں دکھ اور الجھاؤ نہیں ہوں گے تو انسان کی جبلی، کرداری اور روحانی صفات ماند پڑ جائیں گی، کشمکش اور جہدِ مسلسل ہی نظام کائنات کا باعث ہے وگرنہ یبوست، کھنچی اور بے رنگی زندگی کو بہت جلد تمام کر دیتی ہے۔ مولانا غلام رسول مہر کے الفاظ میں: سادہ طور پر یہ نظم بچوں کو یہ درس دیتی ہے کہ دنیا میں سوز و ساز دونوں کے دم قدم سے رونق ہے جب تک انسان کو سکھ کے ساتھ دکھ نہ پہنچے وہ زندگی کا راز بخوبی نہیں سمجھ سکتا، خوشی و غم کے پہلو بہ پہلو ہونے ہی سے انسان ترقی کی منازل طے کر کے کامیاب زندگی بسر کرتا ہے۔ نظم "پرندے کی فریاد" کو اقبال نے ماخوذ نہیں لکھا مگر اس کا مرکزی خیال بھی ولیم کوپر کی ایک نظم سے بہت مماثل ہے جہاں ایک پنجرے میں قید، بھوک سے مرنے والے پرندے کی فریاد بیان کی گئی ہے۔ اقبال نے اپنی نظم میں تبدیلی کرتے ہوئے پرندے کی لاش اور بعد از مرگ احساسات و خیالات بیان کرنے کی بجائے زندہ قیدی پرندے کی فریاد پیش کی ہے۔ نظم ماضی، حال اور مستقبل کے تانے بانے میں الجھی فریاد کے لئے تیز کرتی ہے اور غلامی کی اذیتوں سختیوں کو بیان کرتے ہوئے ہندوستانیوں کی غیرت و حمیت بیدار کرنے کا ایک حوالہ بنتی ہے۔ بظاہر یہ نظم باقاعدہ طور پر بچوں کے ادب میں شامل نہیں لیکن اولین تحریر سے اب تک اس نظم کو اس کے تمثیلی انداز اور دلچسپ پیشکش کی بنا پر بچوں کی نظم میں ہی شمار کیا جاتا ہے سو اس نظم کے ذریعے بچوں کو آزادی کی نعمت و عظمت اور غلامی کی ذلتوں و سختیوں سے نفرت دلانے کی کوشش کی گئی ہے،

اخذ و استفادہ کا یہ سلسلہ "ایک مکڑا اور مکھی"، "ایک پہاڑ اور گلہری"، "ایک گائے اور بکری" اور "ماں کا خواب" میں بھی نظر آتا ہے "ایک مکڑا اور مکھی" میری ہووٹ کی نظم "The spider and the fly" ہے جس میں بچوں کو یہ سبق سکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ دشمن کی خوشامدانہ باتوں میں آکر ہوش نہیں کھونا چاہیے یہ نظم میری ہووٹ کی کتاب "دا سپائڈر اینڈ فلائی" کی مشہور ترین نظم ہے، اقبال کی نظم کے کردار اور ماحول وہی ہیں جو میری ہووٹ کے ہیں لیکن ایک تخلیقی شاعر ہونے کے ناطے اقبال نے نظم کے مزاج اور پیشکش کو بدل کر اسے نہایت فطری انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ نظم پہلے بتیس اشعار پر مشتمل تھی لیکن "بانگ درا" میں پچیس شعر منتخب کیے گئے۔ اقبال کی نظم کے مقابل میری ہووٹ کی نظم براہ راست نصیحت سے گراں بار ہے ابتداً جب اقبال نے یہ نظم پیش کی تو براہ راست نصیحت کے چند اشعار اس میں بھی شامل تھے جنہیں بعد میں انہوں نے قلمزد کر دیا۔ نظم حکایت بیانی کی بہترین صورت ہے جس میں اقبال نے اپنی طرف سے بیرونی اثرات ڈالنے کی بجائے نظم کے دونوں کرداروں "مکڑے" اور "مکھی" کے مکالمے سے صورتحال اور نتائج برآمد کیے ہیں۔ اقبال کی نظم کے مقابل انگریزی نظم کا سلسلہء عمل سست رفتاری کا شکار، مکالمے پھسپھسے اور منطقی ربط متزلزل ہے:

Will you walk into my parlor?

Said the spider to the fly.

Tis the prettiest little parlor that ever you did spy,

The way in to my parlor is up a winding stair,

And I have many curious things to show when you are there,

"Oh no no" said the little fly," to ask me is in vain",

For who goes up your winding stairs can ne'er come down again.

. . . .

And now dear little children,

Who may this story read,

To idle, silly flattring words,

Ipray you never give head: unto an evil counselor, close

Heart and ear and eye,

And take a lesson from this tale, of the spider and the fly. (۷)

(کیا آپ میرے پارلر میں چلیں گی؟ مکڑے نے مکھی سے کہا! یہ چھوٹا سا انتہائی خوبصورت پارلر جس سے آپ آج تک مستفید نہیں ہوئی ہوں گی۔ اس پارلر تک آپ کو ایک بل کھاتی سیڑھی لے جاتی ہے، جہاں دیکھنے کے لائق بہت سے قابل قدر اشیاء ہیں۔ ارے نہ نہ ننھی مکھی نے کہا، مجھ سے یہ سب کہنا بیکار ہے کیونکہ میں جانتی ہوں کہ جو آپ کی سیڑھی سے اوپر گیا وہ کبھی واپس نہیں آیا۔۔۔۔۔۔ اور اب میرے ننھے پیارے بچو! جو بھی اس بیکار، احمقانہ اور چاپلوسانہ الفاظ کی یہ کہانی پڑھ سکتا ہے، میری دعا ہے کہ کوئے خوشامدی شخص (مشیر) آپ کے دل، کانوں اور آنکھوں کے قریب نہ آئے۔ اور مکڑے اور مکھی کی اس کہانی سے عبرت حاصل کرو۔)

اب اس نظم کا ابتدائیہ اور اختتامیہ اقبال کے ہاں دیکھیے:

ایک دن کسی مکھی سے کہنے لگا مکڑا — اس راہ سے ہوتا ہے گزر روز تمہارا

لیکن میری کٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت — بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا

غیروں سے نہ ملیے تو کوئی بات نہیں ہے — اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھنچ کے نہ رہنا

سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں — دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندہ

یہ سوچ کے مکھی سے کہا اس نے بڑی بی اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبہ

مکھی نے سنی جب یہ خوشامد تو پسیجی بولی کہ نہیں آپ سے مجھ کو کوئی کھٹکا

انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں برا میں سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا

یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے پاس آئی تو مکڑے نے اچھل کر اسے پکڑا

بھوکا تھا کئی روز سے اب ہاتھ جو آئی آرام سے گھر بیٹھ کے مکھی کو اڑایا(۸)

بظاہر یہ نظم بچوں کی نصیحت گری اور اخلاقی تربیت کے حوالے سے اہم ہے۔ لیکن نظم کا بنظر غائر مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ یہ نظم بچوں ہی نہیں بڑوں کے لئے بھی کرداری، نفسی، اخلاقی اور باطنی اصلاح و تربیت کا اہم حوالہ ہے۔ ہر عہد کا فتنہ جھوٹ اور خوشامد ہے اقبال نے اس نظم میں، اسی فتنے کی نشاندہی کی ہے ان دونوں برائیوں کے بھیانک نتائج اور انجام سے آگاہ کیا ہے۔

نظم "ایک پہاڑ اور گلہری" انگریز شاعر ایمرسن کی نظم "The mountain and the sequirrel / Fble" سے ماخوذ ہے ایمرسن کی اس نظم کو "فیبل" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ نظم پہلے چوبیں اشعار پر مشتمل تھی لیکن "بانگِ درا" کے لیے بارہ اشعار منتخب کئے گئے۔ نظم کے کل 12 اشعار میں تکبر اور بڑائی جیسے بڑے اخلاقی فتنے کی تنبیہ کرتے ہوئے کردار و عمل کی اصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ اس نوع کی ایک اور نظم بعنوان "کبر و ناز" پیام مشرق کا بھی ہے جس میں اقبال نے پہاڑی تودے کی صورت متکبر مزاج لوگوں کو یہ تنبیہ کی ہے کہ وقت بدلتے دیر نہیں لگتی ہر عروج بالآخر زوال کی نظر ہو جاتا ہے دوسروں پر انگلی اٹھانے والے انہیں حقیر جاننے والے بہت جلد اسی مقام پر آن کھڑے ہوتے ہیں کہ جس مقام پر وہ دوسروں کو نفرت و حقارت سے دیکھتے تھے۔

پہاڑ اور گلہری میں بھی براہ راست نصیحت کی بجائے گلہری کی زبانی تخلیق کائنات کے حسن و بڑھوتری میں شامل ہر نوع کے اجسام و اشیاء کی اہمیت، افادیت و حیثیت کو شناخت عطا کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کی کوئی بھی شے اپنی ذات و حیثیت میں کامل نہیں سو ایک شے یا ذات کو دوسری شے یا ذات پہ اس لیے برتری حاصل نہیں کہ وہ بڑی، مضبوط، بلند قامت، طاقتور یا وشال ہے۔ نظام کائنات اجسام و عوامل کے اشتراک و عمل سے قائم ہے۔ اس کے لیے چھوٹی یا بڑی، کمزور یا طاقتور، اونچی یا نیچی، ساکن یا متحرک، معمولی اور غیر معمولی تمام اشیاء کا وجود ناگزیر ہے سو اسی نقطۂ فکر کو سامنے رکھتے ہوئے اقبال، پہاڑ کے متکبرانہ جملے "کہاں غریب گلہری" کے جواب میں گلہری سے کہلواتے ہیں کہ اگر تو بڑا ہے تو اس میں کیا خوبی ہے میں درخت پر چڑھنا جانتی ہوں جبکہ تو اس صلاحیت سے محروم ہے، تو اتنا ہی بڑا ہے تو ذرا ہل کر یہ چھالیہ تو کتر کر دکھا۔ میں اگر تیری طرح بڑی نہیں ہوں تو، تو بھی تو میری طرح سے چھوٹا نہیں ہے۔ اس نظم کے بیرونی دائرے یعنی روزمرہ حیات میں بھی، پہاڑ جیسی بلندی کے حامل لوگوں کے روبرو اکثر عام انسانوں کو احساس کمتری و احساس ندامت پیدا ہوتا ہے، وہ خود کو اپنے تئیں، حقیر و پست خیال کرتے ہیں چنانچہ ایسی صورتحال میں بھی، بظاہر ایک کمزور، نازک تن، چھوٹا سا جانور، عزت، عظمت اور خود اعتمادی کا پیامبر بنتا ہے۔ اور اپنی خود اعتمادی اور احساس تشخص کے باعث پہاڑ کے مقابل کمتر ہونے کے باوجود ایک ایسا کام سرانجام دیتا ہے جو پہاڑ انجام نہیں دے سکتا۔ یوں وہ

اپنے عمل سے امید، ہمت، خود اعتمادی اور تسکین آور احساسات کو پیدا کر کے روشن حیات کا سبق سکھاتا ہے۔ یہ نظم اقبال کے اسی فلسفیانہ نکتے کا اعادہ کرتی ہے کہ جس کے تحت اس دھرتی و کائنات میں موجود ہر شے اپنی ذات میں با معنی، اہم اور ناگزیر ہے۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں(۹)

ایمرسن کے ہاں یہ نظم اسی زور اور جامعیت کے ساتھ موجود ہے:

And i think it no Disgrace

To occupy my place,

I am not so large as you,

You are not so small as I,

And not half so spry,I will not deny you make

A very prelly squirrel track.

Talents differ, all is well and wisely put,

If I cannot carry forest on my back,

Neither can you crack a nut. (۱۰)

(اور میرا نہیں خیال کہ میں جس مقام پہ ہوں اس میں کوئی ذلت کی بات ہے، اگر میں تمہاری طرح بڑی نہیں ہوں تو تم بھی تو میری طرح چھوٹے نہیں ہو۔ میرا جیسا آدھا کام بھی آپ سے ہونا ممکن نہیں یہاں تک کہ گلہری کے پھاندنے کے لئے ایک چھوٹا سا راستہ بھی۔ سب کے فن ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، اور یہ سب بہت اچھا اور سمجھداری سے طے کیا گیا ہے۔ اگر میں اپنی پشت پر جنگل نہیں لاد سکتی تو تم بھی تو ایک میوہ تک نہیں توڑ سکتے۔)

"ایک گائے اور بکری" کی صورت سامنے لاتی ہے۔ انیس اشعار پر مشتمل یہ نظم انگریزی شاعرہ جین ٹیلر کی مشہور و معروف نظم "The cow and the Ass" اخذ و استفادہ ہی کی صورت سے ماخوذ ہے، اس حوالے سے ڈاکٹر اکبر قریشی کا کہنا ہے کہ: یہ نظم نا صرف ماخوذ ہے بلکہ اس کا کامیاب ترجمہ بھی ہے۔ جین ٹیلر کے ہاں نظم کا عنوان نظم کے مرکزی خیال کے مطابق زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ گدھا انسان کی کائنات میں مظلوم ترین مخلوق ہے اگر وہ اس کے باوجود انسان میں خیر کا پہلو دیکھ سکتا ہے تو اس سے شاعر کے انسانی خیر کے عقیدے کا ثبوت ملتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اقبال نے نا صرف نظم کے ماحول کو مقامی رنگ دینے کی کوشش کی ہے بلکہ مقامی روایت کا احترام کرتے ہوئے نظم کا عنوان بھی بدل دیا ہے(۱۱)۔ جین ٹیلر نے نظم کے منظر نامے کو جس قدرتی حسن و دلکشی سے مزین کیا ہے اقبال کی نظم اس منظر نامے کے رنگ مزید گہرے کرتی ہے۔ چراگاہ کا

منظر گو مقامی و عمومی ہے مگر اس کی پیشکش میں تحرک و جان ہے۔ گائے اور بکری کی ملاقات ایک ایسے بہاریں خطے میں ہوتی ہے کہ کہ جہاں قدرت اپنی فیاضی و حسن کے ساتھ موجود ہے۔ حال احوال کے ضمن میں گائے اپنی مشکل زندگی اور انسان کی خود غرضی کا ذکر کرتے ہوئے انسان کا گلا کرتی ہے

آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے   اس سے پالا پڑے خدا نہ کرے (۱۲)

بکری جو سمجھدار اور انصاف پرور ہے حقائق شناسی اور زندگی میں انسانی عمل دخل کی فیوض و برکات کا تذکرہ کر کے گائے کو احسان مندی کا قرینہ سکھانے کی کوشش کرتی ہے۔

یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں   لطف سارے اسی کے دم سے ہی (۱۳)

یوں اس نظم کے ذریعے بچوں میں ناشکری، بدگوئی اور احسان فراموشی کے جذبات کو احسان مندی، شکر گزاری اور مثبت انداز نظر میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ پوری نظم کہانی کی صورت آگے بڑھتی ہے اور ایک اخلاقی سبق کی تحصیل کے ساتھ اختتام پذیر ہوتی ہے۔ اقبال کی یہ نظم "ایک مکڑا اور مکھی" کی طرح ترجمے کی بہترین مثال ہے لیکن "ایک مکڑا اور مکھی" میں اقبال نے میری ہووٹ کی نظم کے مقابل متعدد ترامیم و اضافے کیے ہیں جبکہ "ایک گائے اور بکری" کی یہ صورت تحال نہیں ہے۔ ماسوا سماجی و معاشرتی مستثنیات کے تناظر میں "گدھے" کی جگہ "بکری" کے کردار کے، یہ نظم جین ٹیلر کی نظم کا بہترین ترجمہ ہی ہے

Tis theirpleasant meadow in which you repose,

And they find you a shelter from winter cold snows.

For comforts like these, we are indebted to man.

And for him, in return should do all that we can.

. . . .

"Yet " she said to herself, though he's not very bright,

I really believe that the fellow is right. (۱۴)

(یہ ان کی بنائی ہوئی خوبصورت چراگاہ ہے جہاں تم آرام کرتی ہو۔ اور وہ تمہیں سردیوں کی ٹھنڈی برف باری سے پناہ بخشتے ہیں۔ ایسی آسائشوں کے لئے ہمیں انسان کا احسان مند ہونا چاہیئے۔ اور اس کے بدلے میں ہمیں وہ سب کرنا چاہیئے کہ جو ہم کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔ گائے نے خود سے کہا اگرچہ وہ بہت بلند مرتبت نہیں ہے لیکن وہ جو کہہ رہا ہے بالکل صحیح کہہ رہا ہے۔)

"ماں کا خواب" بعنوان "ماں اور بچہ" پندرہ اشعار پر مشتمل تھی لیکن "بانگِ درا" میں پانچ اشعار شامل کئے گئے ہیں۔ یہ نظم ایک خواب بصورتِ حکایت بیان کرتی ہے۔ جہاں زمردیں ملبوس میں بچوں کی ایک قطار ہاتھوں میں روشن دیئے تھامے اک انجانی منزل کی طرف گامزن ہے۔ اس خواب میں آزردہ و بے قرار ماں اپنے بچے کو بھی قطار کے آخر میں دوسرے بچوں کے برعکس رنجیدہ و ملول، بجھے ہوئے دیئے کے ساتھ دیکھ کر بے تابی سے پکارتی ہے: "مجھے چھوڑ کر آ گئے تم کہاں"(۱۵)

پھر وہ اپنی حالت زار بیان کرتے ہوئے کہتی ہے:

جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار   پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہار(۱۶)

جواب میں بچہ شکوہ کرتا ہے کہ ماں کے درد و الم کے سبب اس کی دنیا تاریک ہے۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے، زندگی خدائے لم یزال کی امانت ہے اگر مالک اپنی امانت واپس لے لے تو صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی رضا پر راضی رہنا چاہیے نہ کہ واویلا و فریاد سے اپنی زندگی کو تباہ کر لینا چاہیے:

یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چپ رہا، دیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا   سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے؟ ترے آنسوؤں نے بجھایا اسے(۱۷)

نظم کی زبان دیگر نظموں ہی کی طرح سادہ سلیس اور پر از جذبات ہے یہ نظم با آسانی بچوں کو سمجھ آ جانے والی ہے، لیکن اس کے موضوع کا احاطہ کیا جائے تو یہ نظم بچوں سے زیادہ ان ماؤں کے لیے ہے جو اپنے جگر کے ٹکڑوں کی جدائی سہ نہیں پاتیں۔ اس نظم کے ذریعے اقبال نے انہیں درس تحمل اور برداشت دیا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس نظم کا مرکزی خیال کسی حقیقی واقعے یا کردار سے متعلق ہو جس کی تشفی کے لیے اقبال نے فکری اور اخلاقی کوشش کی ہے۔

"پرندے کی فریاد" آزادی کے موضوع پر اہم نظم ہے جس میں قیدی پرندے کی دل گرفتگی، تڑپ اور شدتِ غم کو نہایت خوبی سے قلم بند کیا گیا ہے۔ اولاً یہ نظم بیس اشعار اور پانچ بندوں پر مشتمل تھی لیکن "بانگ درا" میں اس سے محض 11 شعر منتخب کیے گئے جن میں سے بعض اشعار میں معمولی ردوبدل کیا گیا لیکن ایک مصرع یکسر تبدیل کر کے لکھا گیا ہے:

لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد مجھ کو   شبنم کا صبح آ کر پھولوں کا منہ دھلانا(۱۸)

بانگ درا میں یہ مصرع کچھ اس صورت میں موجود ہے: "شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مسکرانا(۱۹) یہ نظم بظاہر تو ایک پرندے کے فریاد ہے لیکن بباطن اس میں موجزن بے بسی، بے کسی کی کیفیت، رنج و محن، سوز و گداز اور تڑپ دراصل غلام ہندوستان کی ذہنی اور قلبی کیفیت کی تصویر ہے کہ ہندوستانی اپنے ہی وطن میں غارت گر اجنبی کے جبر و استحصال میں قید تڑپ رہے تھے۔ اس سلسلے کی آخری نظم "ایک پرندہ اور جگنو" ہے یہ نظم زبان کے لحاظ سے بچوں کے لیے ادق ہے مگر انسانی و کائناتی صورتحال کے حوالے سے نہایت اہم اور بچوں کی ذہنی پرداخت میں پیش آمدہ مراحل کے لیے مفید ہے۔ ان نظموں کے علاوہ بھی متعدد معروف و غیر معروف نظمیں بچوں سے منسوب ہیں ان میں سے ایک بہت مشہور نظم "بچے کی دعا" زبان زد عام اور ہر دل عزیز ہے یہ نظم بھی اخذ شدہ اور ترجمہ ہے لیکن اقبال کی فطری تخلیقیت نے اسے ترجمے سے زیادہ طبع زاد صورت عطا کر دی ہے۔ یہ نظم برطانوی شاعرہ میتھلڈا بیتھم ایڈورڈ کی ہے متھلڈا ایک پادری کی بیٹی تھیں سو مذہبی اور خلاقی اقدار سے شناسائی، راست بازی، مثبت نقطہ نظر، امید اور دنیا میں تخلیق انسانی کا مقصد اس نظم کے خوبصورت بندوں کی صورت جلوہ گر ہوتا ہے۔

God make my life a little light

within the world to glow,

A little flame that burneth bright

wherever I may go. (۲۰)

(اے خدا دنیا میں جگمگانے کے لئے میری حیات کو اک چھوٹا سا دیا بنادے۔ ایک ننھا شعلہ جو میرے گزر جانے کے بعد بھی روشن رہے)

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری (۲۱)

اقبال نے اس نظم میں مشرقی روحانیت، مزاج اور ماحول کو سمو کر اسے جاوداں کر دیا ہے۔ اس نظم کے لفظوں میں جادو ہے کہ جس کے اثر سے بچوں اور بڑوں ہر دو کے دل میں راستی ہمدردی، بھلائی، حب الوطنی اور ایثار و محبت کا شعلہ موجزن ہوتا ہے، نیز یہ نظم بچوں کو اپنی حاجات بارگاہِ ربوبیت میں پیش کرنے کا سلیقہ بھی سکھاتی ہے دو بندوں اور چھ اشعار پر مشتمل یہ نظم خدائے بزرگ و برتر کی عظمت و جلال کے سامنے سرنگوں ہوتے ہوئے اپنی حاجتوں کا منبع و مصدر خدائے ذوالجلال کو بتاتی ہے اور بچہ بصورت شمع اندھیروں میں تابناکی بن کر ٹھہرنے کی آرزو کرتا ہے۔ "خیر الناس من ینفع الناس" کی صورت اپنی زندگی کو بھلائی اور اچھائی کے سپرد کرنا چاہتا ہے۔ اپنے وطن اور ہم وطنوں کے لیے ایثار، دردمندی، مدد، قربانی اور احساس کی صورت جینا چاہتا ہے۔ اس نظم کا آخری شعر نظم کا تکملہ اور نچوڑ ہے بچہ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے یہ دعا کرتا ہے کہ اس کا وجود خیر و برکت کے فروغ کا باعث بنے اور خدا اپنی رحمت و کرم کے صدقے اس کی ذات کو ہر برائی سے محفوظ رکھے۔

میرے اللہ ہر برائی سے بچانا مجھ کو نیک جو راہ ہو اسی راہ پہ چلانا مجھ کو (۲۲)

"ربنا اتنا فی الدنیا حسنت وفی الآخرات حسنت" حب الوطنی کے حوالے سے دوسری اہم نظم "ہندوستانی بچوں کا قومی گیت" ہے جو فروری 1905 کے "مخزن" میں لاہور سے شائع ہوئی تھی جبکہ کچھ مقامات پر اس نظم کا عنوان "میرا وطن" بھی درج ہے۔ ابتداً اس نظم کے پانچ بند تھے لیکن "بانگ درا" میں شمولیت کے وقت آخری بند حذف کر دیا گیا، باقی ماندہ متن میں بھی معمولی ردّ و بدل موجود ہے۔ جیسے "نانک نے جس چمن میں وحدت کا راگ گایا"، "بانگ درا" کے متن میں "راگ" کی جگہ "گیت" لفظ کی تبدیلی کی گئی ہے۔ اسی طرح ایک اور مصرع "نوح نبی کا ٹھہرا آکر جہاں سفینہ"، "بانگ درا" میں "نوح نبی کا آکر ٹھہرا جہاں سفینہ" کر دیا گیا ہے۔ حب الوطنی کے حوالے سے اقبال کی یہ بے مثال نظم ہے جس میں ملی اور قومی جذبات، مذہبی اور تہذیبی جذبات کے مقابل پر از قوت ہیں۔ دھرتی ماں کے عظمت و شان، عظیم و لازوال ہے، سرزمین ہندوستان ہم سر ثریا، نعمتوں، عزتوں اور عظمتوں سے مالامال نظر آتی ہے۔ اور سب سے اہم چیز اس نظم میں بین المذہبی، لسانی و گروہی یگانگت، مساوات و محبت ہے۔ یہاں مسلمان، ہندو، سکھ عیسائی سب ایک انسان کی صورت نظر آتے ہیں، وہ انسان جسے خدا نے اپنا کنبہ کہا تھا جو صدق و ایثار اور محبت و یگانگت کا پیامبر ہے۔ اس نظم کا مرکزی نقطہ ایثار و ہم آہنگی ہے یہ نظم بچوں میں حب الوطنی کے ساتھ ساتھ آپسی محبت، قربانی، وسعتِ قلبی، رواداری امداد باہمی و یکجائی کا درس دیتی ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ رنگ و نسل اور مذہب کی دیواروں کو گرا کر انسان بن کر جئیں اور اپنی دھرتی ماں کی عظمت و حرمت کو بحال کروائیں۔

یہ نظم تاریخی حوالے سے بھی ایک اہم دستاویز ہے کہ اس میں انبیاء، اولیاء، اوصیاء اور مختلف مذاہب کے پیشواؤں کے ساتھ ساتھ مذہبی، تہذیبی اور سماجی حوالے سے نامور ملکوں، قوموں اور تہذیبوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ نظم کی زبان سادہ، شیریں، سلیس اور دلکش ہے اس کا رنگ و آہنگ دل کو لبھانے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "بچے کی دعا" کی طرح یہ نظم بھی آج تک بچوں اور بڑوں میں مقبول ہے۔ "ترانہ ہندی" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے یہ ایک ایسا گلزار ہے کہ جو نفرت، تعصب اور عداوت کے سینے پہ جنم لیتا ہے۔ اس نظم

کا مرکز بھی دھرتی ماں ہے۔یہ اس ماں کی حرمت اور آن و شان پہ کٹ مرنے کے عزم کا اعادہ کرتی ہے۔ یہ نظم آج بھی ہندوستان میں شوق وعقیدت سے پڑھی جاتی ہے۔"مہاتما گاندھی" نے علامہ کی وفات پر اپنے گہرے رنج و تاسف کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ :ڈاکٹر اقبال کے بارے میں، میں کیا لکھوں لیکن اتنا تو میں کہہ سکتا ہوں کہ جب ان کی مشہور نظم "ہندوستان ہمارا" پڑھی تو میرا دل بھر آیا، بروده جیل میں تو سینکڑوں بار میں نے اس نظم کو گایا ہو گا اس نظم کے الفاظ مجھے بہت ہی میٹھے لگے اور یہ خط لکھتا ہوں تب بھی وہ نظم میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔(۲۳)

بچوں کے حوالے سے دیگر اہم مگر غیر معروف نظموں میں "عہد طفلی" ایک اہم نظم ہے جس میں اقبال نے بچپن اور بچے کی حسین صورت مجسم کر کے رکھ دی ہے اس نظم میں بچہ وہ آئینہ ہے کہ جس میں وہ نہ صرف اپنا بچپن بلکہ قدرت کا خالص اور حسین ترین روپ دیکھتے ہیں۔ یہ نظم پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حکیم الامت کے لقب سے ملقب اقبال کی نگاہ طفلانہ نفسیات پہ کتنی گہری اور لطیف تھی۔"عہد طفلی" پہلی بار جولائی 1901 کے "مخزن" میں لاہور سے شائع ہوئی تھی جس میں کل پانچ بند تھے یعنی 15 اشعار، "بانگ درا" کی ترتیب کے وقت اقبال نے تین بند حذف کر دیے اور صرف دو بند یعنی تیسرا اور چوتھا شمولیت کے لیے منتخب کیا تھا، باقی بند "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی محمد عبدالرزاق اور رسالہ "مخزن" کے متذکرہ شمارے میں موجود ہیں۔"بانگ درا" کے لیے اقبال نے چند ہ بندوں میں بھی اصلاح فرمائی تھی۔ مثلاً تیسرے بند کا چوتھا مصرع جو مخزن اور کلیات میں شامل ہے وہ یوں تھا "خالی از مفہوم خود میری زباں میرے لیے(۲۴)" جبکہ بانگ درا میں یہ کچھ یوں شامل ہوا "حرف بے مطلب بھی خود میری زباں میرے لیے"(۲۵) تیسرے بند کا پانچواں مصرع کلیات اور مخزن میں کچھ اس صورت میں تھا "درد اس عالم میں جب کوئی رلاتا تھا مجھے"(۲۶) جب کہ "بانگ درا" میں اس کی صورت یوں ہے "درد طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے"(۲۷) چوتھے بند کا چھٹا مصرع پہلے یوں تھا "دل میرا جام شرب ذوق استفسار تھا"(۲۸) "بانگ درا" میں اس کی صورت کچھ یوں ہے "دل نہ تھا میرا سراپا ذوق استفسار تھا"(۲۹) پوری نظم سلسلہ ءخیال کی ایک زنجیر ہے جو کڑی در کڑی آگے بڑھتی ہے نظم کا آغاز ساحرِایام کے تخاطب سے ہوتا ہے یہاں شاعر لحہ ءموجود میں ٹھہرا اپنے حال سے غیر مطمئن، ایام ماضی اور عمر رفتہ کو یاد کرتے ہوئے بچپن کو اپنا سنہرا دور قرار دیتا ہے۔وہ کہتا ہے:

کہیں سے پھر وہی ایام طفلی کے مزے خون رلواتے ہیں ایام جوانی کے مزے (۳۰)

پھر دوسرے تیسرے اور چوتھے بند میں بچپن، اس عہد کی رونق، زینت، بے فکری اور رعنائی، اس دور کے سادہ و حسین لمحات اور ایک معصوم بچے کی نہایت خوبصورت تصویر پیش کی گئی ہے۔ جس میں اس کی من موہنی صورت، بھولی بھالی ادائیں، ہنسنا، رونا، حیرت زدہ ہونا، ضد کرنا، بہل جانا نہایت خوبصورتی سے مجسم کیے گئے ہیں یوں نا صرف انسان پیش کردہ بچے کے حسن و لطافت کی طرف متوجہ ہوتا ہے بلکہ اسے اپنا بچپن، معصومیت اور بے فکری بھی یاد آتی ہے۔ نظم میں پیش کردہ بچے کی حرکات و احوال اجتماعی انسانی بچپن کی تصویر پیش کرتے ہیں۔یوں یہ نظم ایک عالمگیر، آفاقی احساس سے جڑتی ہے جو اجتماعی انسانی تہذیب کا اثاثہ ہے:"اور وہ حیرت دروغ مصلحت آمیز پر"

مایہ دار صد مسرت اک تبسم تھا مرا(۳۱)

آخری بند میں شاعر نے وقت کے تیز دھارے میں بہہ جانے والے بہاریں، بے فکر بچپن کو دلگیر انداز میں یاد کرتے ہوئے عہد موجود کی تلخیوں، پریشانیوں، تکالیف اور الجھنوں کو غمگین انداز میں بیان کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک بچپن عرصہ ءکرم و التفات ہے کہ جس میں انسان مصلحت آمیزی، منافقتوں، پریشانیوں، الجھنوں اور مصائب و مشکلات سے دور ہوتا ہے جوانی گو کہ زندگی کا سب سے حسین دور ہوتی ہے لیکن حوادث و مسائل اسے گھمبیر اور دلگیر بنا دیتے ہیں۔ بچوں کے ادب کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس نظم کی زبان طرز فکر اور طرز ادا مشکل ہے خیالات میں ابہام اور الجھاؤ تو نہیں ہے مگر وہ اس قدر آسان و قابل فہم بھی نہیں کہ تیرہ چودہ سال کے بچے اسے باسانی سمجھ سکیں۔"بانگ درا" میں شامل دو بند نظم کے حوالے سے بچپن کی یاد کو سامنے لاتے ہیں۔خیالات و فکری بنت کاری ان پانچ بندوں میں ہی مکمل ہوتی ہے کہ جو اپنی اولین صورت میں موجود تھے۔

"طفل شیر خوار" بھی بچے اور بچپن کے حوالے سے اہم ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس نظم کا مرکزی نقطہ ایک چھوٹا سا بچہ اور اس کے احوال و عوامل ہیں۔ یہ نظم ستمبر 1905 میں رسالہ "مخزن" میں شائع ہوئی تھی مخزن اور کلیات اقبال میں اس کے مشمولہ اشعار کی تعداد 19 تھی مگر "بانگ درا" کی ترتیب کے وقت اس کے 8 اشعار قلم زد کر کے 11 اشعار کو شامل انتخاب کیا گیا اور ان مشمولہ اشعار میں بھی دو شعروں کے اصلاح کی گئی ہے ملاحظہ ہو:

"میں نے چاقو تجھ سے چھینا ہے تو چلاتا ہے تو مہرباں ہوں مگر نامہرباں سمجھا ہے تو(۳۲)

اصلاح شدہ مصرع یوں ہے:

مہرباں ہوں مجھے نامہرباں سمجھا ہے تو(۳۳)

وصلِ ہستی سے چمک اٹھا شرارِ آرزو(۳۴)

اصلاحی صورت میں:

آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شرارِ آرزو(۳۵)

بچے کی سادگی اور معصومیت کے پردے میں نفس انسانی کا تقابلی مطالعہ اس نظم کا خاصہ ہے۔ اقبال نہایت خوبصورت استفہامیہ انداز میں بچے کے استعارے میں ہستیء انسان کی گرہیں کھولتے چلے جاتے ہیں۔ وہ بچے سے پوچھتے ہیں کہ وہ خطرے کا کھلاڑی کیوں ہے؟ چاقو جو اس کے لیے مہلک اور نقصان دہ ہے جب اس سے چھینا جاتا ہے تو وہ روتا چیختا اور چلاتا ہے اور چھیننے والے یعنی محافظ و مہربان کو نامہربان تصور کرتا ہے۔ بعض اوقات نقصان دہ اور خطرناک خواہشات کی تکمیل میں کسی شخص کے لیے اگر کوئی شے یا انسان سدراہ بنتے ہیں تو عمل کنندہ منع کرنے والے کو اپنا دشمن تصور کرتا ہے اور ان کے خلاف ہو جاتا ہے۔ بعینہ نفس لوامہ جب انسان کے لڑکھڑاتے اور بھٹکتے قدموں کو سختی سے موڑ کر راہ راست پر لانا چاہتا ہے تو انسان اس خیال و تحرک کو ہی اپنا دشمن تصور کرتا ہے جو اسے نفس امارہ کی راہ چلنے سے روکے، اسے اس کی خواہشات سے باز رکھے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ انسان خود اپنے ساتھ دشمنی کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔ اگلی تصویر خالصتاً بچے اور بچپن کی یاد تازہ کرتی ہے کہ بچہ ہر شے کو جانچنا، کھوجنا، ہاتھ میں لینا اور اسے توڑنا چھوڑنا چاہتا ہے۔ بچہ قلم کے لیے ضد کرتا ہے تو اقبال کہتے ہیں:

پھر پڑا روئے گا اے نو واردِ اقلیم غم چبھ نہ جائے دیکھنا باریک ہے نوکِ قلم(۳۶)

اور پھر نہایت دلچسپ خوبصورت اور حقیقی انداز میں بچے کو بہلاتے ہیں:

آہ کیوں دکھ دینے والی شے سے تجھ کو پیار ہے کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے یہ بے آزار ہے

اس چمکتی چیز کی خاطر یہ بے تابی ہے کیا اب سیاہی کے گرانے کی تجھے سوجی ہے کیا(۳۷)

اور بچہ جو بے چینی اور شرارت کا دوسرا نام ہے وہ مسلسل جہانِ نو کی تلاش میں چیزوں کو کھوجنے، پکڑنے، جانچنے اور توڑنے میں مگن ہے تو اقبال کہتے ہیں:

گیند ہے تیری کہاں چینی کی بلی ہے کدھر؟ وہ ذرا سا جانور ٹوٹا ہوا ہے جس کا سر (۳۸)

اس طرح سلسلہ در سلسلہ خیالات بچپن کی اس تصویر کو جوڑتے چلے جاتے ہیں جو عمومی ہونے کے باوجود تخصیصی و انمول ہے۔ اس نظم کے آخر میں اقبال فطرتِ انسانی کو فطرتِ طفلانی میں کھوجتے ہوئے خود اپنے مزاج کی بے چینی لاابالی پن معصومیت اور سادگی (جو انسانی مزاج کا ناگزیر حصہ ہے) سے بچپن کو جوڑتے ہوئے کہتے ہیں:

آہ اس عادت میں ہم آہنگ ہوں میں بھی تیرا تو تلوّن آشنا میں بھی تلوّن آشنا

عارضی لذت کا شیدائی ہوں چلاتا ہوں میں جلد آجاتا ہے غصہ جلد من جاتا ہوں میں

میری آنکھوں کو لبھالیتا ہے حسن ظاہری کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی میری (۳۹)

یوں بچوں کی فطرت کے ساتھ ساتھ فطرتِ انسانی کی جبلت کو پیش کرتے ہوئے اقبال اس نظم کے اختتام تک بچوں میں ذاتِ انسانی کا عکس دیکھتے ہیں:

تیری صورت گاہ گریاں گاہ خنداں میں بھی ہوں دیکھنے کو نوجواں ہوں طفل ناداں میں بھی ہوں (۴۰)

بچوں ہی اس سے منسلک اقبال کی ایک اور نظم "بچہ اور شمع" ستمبر 1905 کے مخزن میں لاہور سے چھپی تھی یہ نظم تین بندوں اور 15 اشعار پہ مشتمل تھی "بانگ درا" میں شمولیت کے وقت ایک شعر کی اصلاح کر دی گئی:

محفل قدرت ہے ایک دریائے بے پایاں حسن دیکھتی ہے آنکھ ہر قطرے میں یاں طوفان حسن (۴۱)

اصلاحی صورت میں دوسرا مصرع کچھ یوں ہے "آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفان حسن" (۴۲) پہلا بند بچے کے نظارہ، قندیل اور شاعر کے سوال پر مشتمل ہے، یہاں بچہ شمع کے چمکتے شعلے کو حیرت سے گھور رہا ہے تو شاعر اس سے سوال کرتا ہے کہ اس انہماک اور تسلسل نظارہ کی وجہ کیا ہے: "روشنی سے کیا بغل گیری ہے تیرا مدعا" یعنی اے طفل ناداں تو جو اس نظارے میں اس قدر مستغرق اور محوِ جستجو ہے کیا تو شمع کی صورت میں کسی شناسائی کسی مماثلت کو کھوج رہا ہے، "یا کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر پہچان ہے" اس تمہید کے بعد اگلا بند جو چار اشعار پر مشتمل ہے نہایت فلسفیانہ انداز میں فطرت، تخلیق فطرت اور حسن فطرت پر روشنی ڈالتا ہے۔ احسن تقویم کی صورت حضرتِ انسان کا سب سے خوبصورت اور قابل قدر روپ "بچپن" ہوتا ہے جو ہر قسم کی برائیوں سے مبرّا، سادگی، معصومیت اور کشش سے لبریز ہوتا ہے اس صورت میں موجود انسان خدا کے ودیعت کردہ نور و حسن کا سب سے خوبصورت نقش ہوتا ہے مگر جیسے جیسے انسان آگے بڑھتا ہے اور بچپن ختم ہوتا جاتا ہے انسان دنیاوی لذات و ہر اس میں گم ہو کر اپنے باطن کا حسن و نور کھو دیتا ہے اور اپنے نقرئی و شفاف نامہ، اعمال کو گناہوں کی سیاہی سے داغدار کرتا چلا جاتا ہے۔ کامیاب انسان وہی ہے جو معصومیت، اخلاص اور حسن کی صورت ودیعت کردہ اس نور کو سنبھال سکے۔ اسی بنا پر اقبال بچے کو دوسرے بند میں مجسم نور قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ظاہری کی بجائے تو ذرا اپنے باطن پر تو نظر کر، تیرا وجود تو سراپا نور ہے۔

شمع تو محض ایک شعلہ، نور ہے جبکہ تو، تو کامل نور ہے۔ شمع کے نور کو خدائے ذوالجلال نے ظاہر کر دیا ہے جبکہ تجھے پوشیدہ رکھا ہے۔ تو سراپا حسن ہے تابندگی ہے پرتو عظمتِ تخلیق ہے، پھر آخری بند میں وہ خالق کائنات کے بے مثال شاہکار انسان اور اس دنیا کے حسن و خوبی پہ نگاہ کرتے ہیں اور نگاہِ انسانی کو بیدار کر کے ذوق نظارہ کو مہمیز کرتے ہیں کہ اے انسان! ایک نگاہ تو اٹھا یہ کائنات سراپا حسن ہے، پہاڑوں، دریاؤں، صحراؤں، ندیوں، سورج و چاند کی چمک دمک، سیاورات کی نوری ساعتوں، طلوع و غروب کی رنگینیوں نسل انسانی

کی بنتی بگڑتی تاریخ گل وگلزار کی امبریں ساعتوں، دامنِ کوہ میں مچلتے چشموں کی نغمگی، دریاؤں کی آزاد خرامی، ہواؤں، فضاؤں کی وسعتوں اور بچے کی کلکاریوں میں حسن ہی حسن ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ بنانے والے کی قدرتِ کاملہ پر گواہ ہے کہ ہر جانب حسن ہے، بے پایاں حسن مگر پھر بھی روح بے تسکین و بے قرار ہے اور ماہیء بے تاب کی طرح تڑپتی ہے۔ کائنات کی اتنی رونقوں اور رعنائیوں کے باوجود اسے تسکین میسر نہیں۔ بلکہ زندگی اک خواب، اک رائیگاں سفر کی طرح محسوس ہوتی ہے۔

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ خواب ہے، غفلت ہے، سرمستی ہے، بے ہوشی ہے یہ (۴۳)

بے فکری سکون عافیت اور احساس تسکین بچپن کا وہ تحفہ ہے کہ اگر ایک بار کھو جائے تو دوبارہ مل کے نہیں دیتا۔ یوں یہ تینوں نظمیں عہدِ طفلی کو محیط ہوتے ہوئے زندگی کا فلسفیانہ اور سماجی تناظر ہمارے سامنے لاتی ہیں۔ یہ تینوں نظمیں اقبال کے ابتدائی فنی سفر سے متعلق ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ ان کی نگاہ ذاتِ انسانی کے تمام گوشوں پر برابر تھی، گو کے بعد میں ان کا ارتکاز نوجوانوں پر رہا لیکن بچوں کے بارے میں جو بھی انہوں نے تحریر کیا وہ ان کی فنکارانہ عظمت، عمیق نگاہی، فلسفیانہ فکر اور طرز ادا کی دلکشی کے باعث غیر معمولی اور اہم حیثیت رکھتا ہے۔ ان نظموں کے علاوہ بچوں کے حوالے سے دیگر نظموں میں "ستارہ"، "محنت"، "شہد کی مکھی"، "چاند اور شاعر"، "گھوڑوں کی مجلس"، "جہاں تک ہو سکے نیکی کرو"، بچوں کے لئے چند نصیحتیں"، "ایک شام"، "چاند اور تارے"، "چاند"، "دو ستارے"، "جگنو" ایثار صدیق، "پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ" اور "عقل و دل" بھی اہم ہیں لیکن یہ نظمیں کم سن بچوں سے آگے بڑھ کر باشعور بچوں کے کردار و اخلاق کی تربیت کے لئے لکھی گئیں ہیں۔ مجموعی طور پر اقبال کی بچوں کے لئے لکھی گئی نظمیں بچوں کی ذہنی پرداخت و تربیت کے حوالے سے نہایت اہم ہیں۔ کیونکہ ان نظموں کے ذریعے ناصرف اخلاقی تعلم و تربیت کی سعی کی گئی ہے بلکہ بچوں کی ذہنی بلوغت اور بڑھوتری کو مد نظر رکھتے ہوئے ان میں عمیق نگاہی اور فلسفیانہ فکر کا رجحان پیدا کرنے کی بھی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ اقبال نے نوجوانوں کی نسبت بچوں کے بارے میں کم لکھا لیکن یہ کم اس قدر کم بھی نہیں کہ ادبی تاریخ میں جگہ نہ پا سکے۔ اقبال محض قصہ گو شاعر نہ تھے بلکہ خاص نصب العین کے حامل انسان تھے۔ حقائق کائنات سے آگاہی، خدا شناسی درفن آدم کی راستی، انسان دوستی و تسخیر کائنات، عشق بے پایاں ان کی شاعری کا بنیادی نقطہ ہے۔ سو ان کا لحن پیغمبرانہ شان کا حامل ہے جو انسان کو اس کا کھویا ہو وقار و کردار واپس دلوانے کا خواہاں ہے وہ عظمت آدم اور دنیا میں بہشت نظری کے خواب دیکھتے ہیں اور فقط خواب نہیں دیکھتے بلکہ اس خواب کی تعبیر کے لیے اذان و قلوب کو جگانے، نکھارنے اور سنوارنے میں بھی کوشاں ہیں تاکہ دنیا بہشت نظیر ہو سکے۔ اس سارے عمل کے لیے جہدِ مسلسل اور نفسی، اخلاقی و سماجی تربیت ضروری ہے، اس تربیت کی سب سے زیادہ ضرورت بچوں کو ہے کیونکہ وہ نسل انسانی کا مستقبل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان بچوں کی تربیت کے لیے اقبال نے خواہ طبع نظمیں لکھی ہوں یا مترجمہ و ماخوذ سب کا ایک خاص مقصد ہے اور وہ مقصد ہے ایک بہترین انسان کی تعمیر و تربیت، جو "خیر الناس من ینفع الناس" کی صورت، پیغام ربانی کا شارح اور خلیفۃ الارض کی صورت ہو۔

حوالہ جات

۱۔ پیٹر سینڈ فورڈ(Peter sandiford)، "Mental and physical growth of children"، ۱۹۸۱، P:۴

۲۔ زیدی، خوشحال، ڈاکٹر، "اردو میں بچوں کا ادب" مکتبہ جامع لیمیٹڈ: دہلی، مارچ 1989، ص30

۳۔ برٹینکا جونیئر انسائکلوپیڈیا، (Britanica Junior Encyclopaedia)، vol C، ۱۹۸۰ء، P:۴۹

۴۔ اقبال، علامہ "پیام مشرق"، مولفہ، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، (دہلی: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، فروری، ۱۹۷۹) ص:۵۷۷

۵۔ دسنوی، عبد القوی، "بچوں کا اقبال"، (لکھنؤ: نسیم بکڈپو، ۱۹۷۶)، ص:۳۸۔۳۹

۶۔ مہر، غلام رسول، "مطالب بانگِ درا"، (دہلی: چمن بکڈپو، سن ندارد)، ص:۹۱

۷۔ مرے ہاوٹ، (Mary Howitt)، "The Spider and the fly"

https://poetrybyheart.org.uk/poems/the-spider-and-the-fly

۸۔ اقبال، علامہ، "بانگِ درا"، (لاہور: مطبع غلام علی پبلشرز، ۱۹۷۷)، ص:۲

۹۔ ایضاً، ص:۳۱

۱۰۔ رالف والڈو ایمرسن، (Ralph Waldo Emerson)، "The Mountain and Squirrel"

/https://emersoncentral.com/texts/poems/mountain-and-the-squirrel

۱۱۔ قریشی، اکبر حسین، ڈاکٹر، "اقبال اور بچوں کا ادب"، سہ ماہی اردو، کراچی، جنوری ۱۹۲۹، ص:۲۷

۱۲۔ علامہ اقبال "بانگِ درا" ص:۳۳

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ جین ٹیلر، (Jane Taylor)، "The Cow and the Ass"

https://www.kidsworldfun.com/kidspoems/the-cow-and-the-ass.php#google_vignette

۱۵۔ اقبال، علامہ، "بانگِ درا"، ص:۳۶

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ محمد عبد الرزاق، مولوی، مرتب "کلیاتِ اقبال" (حیدر آباد دکن، انڈیا: عماد پریس، ۱۹۲۵)، ص:۵۶

۱۹۔ اقبال، علامہ "بانگِ درا" ص:۳۷

۲۰۔ میٹلڈا بی ایڈورڈ، (Matilda B. Edwards)، "A Child Prayer"

https://brucespoems.blogspot.com/2012/03/childs-prayer-matilda-b-edwards.html

۲۱۔ اقبال، علامہ، "بانگِ درا" ص:۳۴

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ شاہوار بیگم، "بچوں کے ادب میں اقبال کا حصہ" (لکھنؤ: نظامی پریس، ۱۹۸۲)، ص:۱۴

۲۴۔ عبدالرزاق"، مولوی، "کلیاتِ اقبال" ص:۱۲۳

۲۵۔ اقبال "بانگِ درا" ص:۲۵

۲۶۔ عبدالرزاق "کلیاتِ اقبال" ص:۱۲۳

۲۷۔ "بانگِ درا" ص:۲۵

۲۸۔ "کلیاتِ اقبال" ص:۱۲۳

۲۹۔ "بانگِ درا" ص:۲۵

۳۰۔ "ایضاً

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ "کلیاتِ اقبال" ص:۴۰

۳۳۔ "بانگِ درا" ص:۶۶

۳۴۔ "کلیاتِ اقبال" ص:۴۱

۳۵۔ "بانگِ درا" ص:۶۶

۳۶۔ ایضاً۔

۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ ایضاً ص:۶۷

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ "بانگِ درا" ص:۹۳

۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ ایضاً

References:

1. Peter Sandiford, "Mental and physical growth of children" 1891, p:290
2. Zaidi, Khushal, Dr., "Children's Literature in Urdu", Maktaba Jamia Limited: Delhi, March 1989, p. 30.
3. "Britanica Junior Encyclopaedia", Vol-C,1980, P:49
4. Iqbal, Allama "Pyam-e-Mashriq", Author, Prof. Yusuf Saleem Chishti, (Delhi: Ibadan Publishing House, February 1979) p: 577
5. Dasnavi, Abdul Qavi, "Children's Iqbal", (Lucknow: Naseem Bakdpo, 1976), pp. 38-39.
6. Mehr, Ghulam Rasool, "Matalib-e-Bang-e-Dara", (Delhi: Chaman Bakdpo, Sun Darhad), p.: 91
7. Mary Howitt, "The Spider and the fly"https://poetrybyheart.org.uk/poems/the-spider-and-the-fly
8. Iqbal, Allama, "Bang-e-Dara", (Lahore: Ghulam Ali Publishers, 1977), p. 2
9. Ibid, p31
10. Mary Howitt, "The Spider and the fly" https://poetrybyheart.org.uk/poems/the-spider-and-the-fly
11. Qureshi, Akbar Hussain, Dr., "Iqbal and Children's Literature", Urdu Quarterly, Karachi, January 1966, p. 27
12. Allama Iqbal, "Bang-e-Dara", p. 33
13. Ibid
14. Jane Taylor, "The Cow and the Ass", https://www.kidsworldfun.com/kidspoems/the-cow-and-the-ass.php#google_vignette
15. Iqbal, Allama, "Bang-e-Dara", p. 36
16. Ibid
17. Ibid
18. Muhammad Abdul Razzaq, Maulvi, compiled "Kaliyat-e-Iqbal" (Hyderabad Deccan, India: Imad Press, 1925, p. 56
19. Iqbal, Allama, "Bang-e-Dara", p. 37

20. Matilda B. Edward, "A Child Prayer", https://brucespoems.blogspot.com/2012/03/childs-prayer-matilda-b-edwards.html
21. Iqbal, Allama, "Bang-e-Dara" p. 34
22. Ibid
23. Shahwar Begum, "Iqbal's Part in Children's Literature" (Lucknow: Nizami Press, 1982), p. 14
24. Abdul Razzaq, Maulvi, "Kaliat-e-Iqbal" p. 123
25. Iqbal "Bang-e-Dara" p. 25
26. Abdul Razzaq, "Kaliat-e-Iqbal" p. 123
27. "Bang-e-Dara" p. 25
28. "Kaliat-e-Iqbal" p. 123
29. "Bang-e-Dara" p. 25
30. Ibid
31. Ibid
32. "Kaliat-e-Iqbal" p. 40
33. "Bang-e-Dara" p. 66
34. "Kaliat-e-Iqbal" p. 41
35. "Bang-e-Dara" p. 66
36. Ibid.
37. Ibid
38. Ibid
39. Ibid p: 67
40. Ibid
41. "Bang-e-Dara" p.:93
42. Ibid
43. Ibid